ڈاکٹر ظہور الدین احمد

احمد یار خان یکتا

احمد یار خان قبیلۂ برلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباد اجداد ترکستان سے آ کر تحصیل خوشاب، ضلع سرگودھا میں آباد ہو گئے۔ ان کے والد الہ یار خان لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کے حاکم رہے اور چالیس سال کے قریب فوجدار غزنین رہے[1] لیکن معاصر تواریخ میں الہ یار خان کے متعلق لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کی حاکمیت یا نظامت کے بارے میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ بادشاہنامہ مؤلفہ عبدالحمید لاہوری میں ایک الہیار خان کا ذکر ہے جو سہ ہزاری و دو ہزار سوار کا منصبدار تھا۔ وہ افتخار خان کا بیٹا تھا اور عموماً اسی کے کارہائے نمایاں کا ذکر صوبۂ بنگال کے سلسلے میں آیا ہے۔ البتہ مآثر عالمگیری میں سال ۱۰۸۰ھ کے واقعات میں الہ یار خاں کا ذکر ہے جسے قلعدار کابل مقرر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ احمد یار خان یکتا کے والد ہوں گے۔ کیونکہ ان کے متعلق یہ بات تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ اس عہدہ سے پہلے تھانہ دار غزنین تھے۔ مآثر عالمگیری کی عبارت یہ ہے:[2]

"خانہ زاد خان، از تغیر الہ یار خان، تھانہ دار غزنین واز تغیر او الہ یار خان قلعہ دار کابل مقرر شد"

عالمگیر نامہ میں اس کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

۱۰۶۸ھ میں ذکر ہے۔ الہ یار خان میر توزک باضافۂ پانصدی بمنصب ہزار و پانصدی سہ صد سوار، سرافراز ہوا[3]

---

[1] مقالات الشعراء، علی شیر قانع، مرتبہ حسام الدین راشدی ص ۸۷۹

[2] مآثر عالمگیری، محمد ساقی مستعد خان، کلکتہ، ۱۸۷۱ء ص ۱۵۹

[3] عالمگیر نامہ، محمد کاظم، کلکتہ، ۱۸۶۸ء، ص ۱۹۶

۱۰۶۸ھ : اسے صف شکن خان کے ہمراہ دارا کے تعاقب میں بھیجا گیا[۴]

۴ محرم ۱۰۶۹ھ : الہ یار خان خزانہ کے ساتھ ملتان پہنچا اور صف شکن خان کو تعاقبِ دارا کا پیغام پہنچایا[۵]

الہ یار خان بعطای جیغۂ مرصع سرافراز ہوا[۶]

وہ داراشکوہ اور اورنگ زیب کی جنگ میں شریک ہوا[۷]

شجاع کی شکست کے بعد منصب ہزار دو پانصدی چہار صد سوار مقرر ہوا[۸]

الہ یار خان میر توزک بخدمتِ داروغگی ملازمان جلو کہ قبل ازیں سیف خان کے تفویض تھی، متعین کیا گیا[۹]

الہ یار خان اجمیر میں داراشکوہ کے مقابل جنگ میں شریک ہوا[۱۰]

الہ یار خان کو خلعت عطا ہوا[۱۱]

۴ رمضان (جلوس مبارک) الہ یار خان کو خلعت اور فیل عطا ہوا[۱۲]

عہد شاہجہان اور عہد اورنگ زیب کی معاصر تواریخ میں کسی واقعہ کے ضمن میں احمد یار خان یکتا کا ذکر نہیں آیا۔ تحفۃ الکرام مؤلفہ علی شیر قانع میں مذکور ہے کہ نواب احمد یار خان ۱۱۱۶ھ سے ۱۱۱۹ھ تک تین سال تک ٹھٹھہ کے ناظم رہے۔ ٹھٹھہ میں نہر علی جان کا پُل انھوں نے تعمیر کروایا تھا[۱۳]

غلام علی آزاد بلگرامی نے بتایا ہے کہ احمد یار خان بھکر میں گئے اور علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی کی خدمت میں ارادت و احترام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ خط نسخ میں اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید پیش کیا۔ آزاد ہی نے لکھا ہے کہ جب میں سندھ سے ملتان آ رہا تھا، تو میں نے احمد یار خان کے متعلق سنا کہ وہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۷ھ کو خوشاب میں وفات پا گئے۔ چنانچہ میں نے ذیل کا قطعۂ تاریخ لکھا[۱۴]

---

۴ ایضاً ص ۲۰۴ ۵ ایضاً ص ۲۰۵ ۶ ایضاً ص ۲۳۱

۷ ایضاً ص ۲۴۸ ۸ ایضاً ص ۲۷۰ ۹ ایضاً ص ۲۸۹

۱۰ عالمگیر نامہ مذکور ص ۳۰۸ ۱۱ ایضاً ص ۳۴۲ ۱۲ ایضاً ص ۳۹۴

۱۳ تحفۃ الکرام، شیر علی قانع ج ۳ ص ۹۹ ۱۴ سرو آزاد، غلام علی آزاد، لاہور ۱۹۱۳

خان والا رتبہ احمد یار خان — زآنِ او آئینۂ خلقِ عظیم
در فنونِ فضل یکتائی زمان — زادۂ افکارِ او دُرِّ یتیم
کرد از معمورۂ گیتی سفر — ماتم او ساخت دلہا را دونیم
چونکہ یکتا رفت، شد تاریخ او — جائے احمد یار خان بزمِ نعیم

۱۱۴۸-۱ = ۱۱۴۷ھ

سفینۂ ہندی کا مصنف لکھتا ہے کہ:[15]

"خودش نیز از عصر عالمگیر بادشاہ تا زمان محمد شاہ فی الجملہ از دولت و امارت منصبی داشت"

لیکن واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکا کس قسم کے سرکاری کام ان کے سپرد تھے۔ صرف پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹ کے مؤلف نے اتنا بتایا ہے۔

That during the later years of Mohammad Shah's reign, the affairs of Bhera and the surrounding country as far south as Shahpur, were administered by Raja Salamat Rai, a Khatri of Anand clan, that Khushab and its dependencies were under the management of Nawab Ahmad Yar Khan.

نواب احمد یار خان خوشاب میں مدفون ہیں اور ان کا مزار خاص و عام کے لیے زیارت گاہ ہے

بقول آزاد، یکتا ۱۱۴۷ھ میں فوت ہوئے لیکن سفینۂ خوش گو کے مصنف نے سالِ وفات ۱۱۴۵ھ لکھا ہے اور مقامِ وفات غزنین بتایا ہے۔ جہاں وہ اپنے باپ کی بجائے تھانہ دار غزنین تھے۔ لیکن اس نے اپنی اطلاعات کے ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے۔ اگر یکتا آخری وقت تھانہ دار غزنین ہوتے تو اپنی مثنوی ہیر و رانجھا میں اپنی مفلسی اور بے زری کا

---

[15] سفینۂ ہندی، بھگوان داس، پٹنہ، ۱۹۵۸، تحت عنوان یکتا

[16]

گلہ کرتے :
بے زر و مفلس و پریشانم بے روزی خراب و حیرانم

قیام الدین حیرت نے لکھا ہے کہ "در سن عزیمت نادرشاہ بایں سمت در عظیم آباد وفات یافت"۔[۱۸]
ہندوستان پر نادرشاہ کا حملہ ۱۱۵۱ھ میں ہوا۔ یہ سالِ وفات بھی غلط ہے اور مدفن بھی غلط۔
یہ بیان غیر مستند ہے اور کسی غلط فہمی کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔

احمد یار خان یکتا کے احوال و آثار کا ذکر مندرجہ ذیل تذکروں میں موجود ہے۔

شمع انجمن ص ۵۳۹	تذکرۂ بینظیر ص ۱۳۹
روز روشن ص ۷۹۴	سفینۂ ہندی ؛ مقالات الشعرا ص ۸۸۲
ریاض الشعرا ص ۴۰۲	سرو آزاد ص ۱۹۹
مخزن الغرایب ص ۳۸۲ - ۳۸۳	تذکرہ حسینی ص ۲۷۳
تذکرہ نتائج الافکار ص ۲۹۰	انیس العاشقین - سفینۂ خوش گو۔

بیاض مجموعۂ شیرانی شمارہ ۷۷۹ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

یکتا جامع صفات شخص تھے۔ آزاد بلگرامی نے ان کے متعلق لکھا ہے۔
"یکتای اماثل بود و مستجمع فنون فضائل۔ خطوط در نہایت جودت می نگاشت۔ تصویر درکمال تحفگی می کشید و اقسام شعر بقدرت می گفت"۔[۱۹]
میر غازی شہید ساکن بھیرہ یکتا کے دوستوں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں کئی جگہ یکتا کی تعریف کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

یار خان نہ اینجا مہرخانی است اختلاط عالم روحانی است
کاملان مداح و ممدوح ہم اند ناقصان سوہان گرروح ہم اند[۲۰]

احمد یار خان کے تخلص یکتا کے متعلق جو مناقشہ ہوا، اس کا ذکر اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ لاہور

---

[۱۸] مقالات الشعرا، قیام الدین حیرت، مرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی، ۱۹۶۸، ص ۱۰۰
[۱۹] سرو آزاد ص ۱۹۹ - ۲۰۱
[۲۰] تذکرۂ بینظیر، عبدالوہاب، الہ آباد، ۱۹۴۰، ص ۲۷۸

احمد یار خان یکتا

کے ایک اور شاعر محمد عاقل خان، یکتا تخلص کرتے تھے۔ انھوں نے احمد یار خان سے کہا۔ یکتا تخلص میرا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔ احمد یار خان نے کہا۔ اب یکتا کی بجائے دو تا ہو گئے ہیں بہتر ہے کہ ہم طرحی غزل لکھیں۔ سخنوران معظم کے سامنے پڑھیں۔ جس کی غزل بہتر قرار دی جائے وہی یکتا تخلص کا حقدار قرار دیا جائے۔ احمد یار خان نے مجلس شعرا کے سامنے اپنی غزل پڑھی۔ ہر طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ عاقل خان کو اپنی غزل پڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ احمد یار خان نے محضر تیار کیا جس پر حضار مجلس نے دستخط کیے۔ آفرین لاہوری نے یہ شعر لکھا۔

برین معنی گواہیم آفرین ما | کہ احمد یار خان یکتاست یکتا

ایک اور شاعر نے یہ مصرع لکھا۔ گوہر یکتا است احمد یار خان

یکتا کی غزل طرح یہ ہے:

تا خطش طرح جہانگیری کاؤسی ریخت | لشکر زنگ چو رومی بسر روسی ریخت
با میدی کہ شود جلوہ گر آن سرو رواں | خاک شد جبہہ و در راہ قدم بوسی ریخت
سرمہ آلود نگاہے کہ ببادم آمد | کہ سرشک شفقی از مژہ ام طوسی ریخت
بر در بتکدہ از نالۂ دارم ناقوس | ہمہ تن اشک شد و در بر ناقوسی ریخت
شمع از رشک رخش سوخت سراپا یکتا | جای اشکش ہمہ خاکستر طاؤسی ریخت

سفینۂ ہندی کے مؤلف نے یہ مناقشہ محمد اشرف یکتا سے منسوب کیا ہے لیکن اکثر تذکرہ نگاروں نے محمد عاقل خان یکتا کا نام لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔

احمد یار خان کو مثنوی کہنے میں خاص درک تھا۔ ان کی چند مثنویوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ (۱) مثنوی گلدستۂ حسن (۲) جہان آشوب (۳) ہیر رانجھا (۴) گلزار خیال۔ تذکرۂ بینظیر اور مقالات الشعرا مؤلفہ علی شیر قانع میں قبل الذکر دو مثنویوں کے دو دو، تین تین اشعار مندرج ہیں۔ گلدستۂ حسن کا ایک خطی نسخہ کتاب خانہ ملی ملک تہران میں شمارہ ۶۰۷۰ پر موجود ہے۔ مثنوی جہان آشوب کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ ہیر و رانجھا شائع ہو چکی ہے۔

گلدستۂ حسن کے دو شعر یہ ہیں:

سوسن بر کنارۂ لب جو | افگندہ زباں چو تشنہ آہو

تابی دیدم مگر کمر بود یا پیچشِ رشتۂ نظر بود

جہاں آشوب کے تین شعر یہ ہیں:

امیران کہن بے قدر و قیمت چو مالِ مردہ یا مالِ غنیمت
ہمہ در خاک بیقدری فسردہ چو شمشیر اصیلِ زنگ خوردہ
کمیں جاگیر مردم شد بتاراج بدستِ مطرب و حجام و حلاج

ایک اور مثنوی کے دو شعر یہ ہیں جس کا نام مذکور نہیں۔ ممکن ہے مثنوی کا نام گلزار خیال ہو جس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ شائع ہو چکی ہے[۲۰]:

فلک را زنم پشت دستی چنان کہ گرد د غبارِ رخِ لامکان
زنم پشت پائے اگر بر زمین شود سرمۂ دیدۂ سافلین

مثنوی ہیر و رانجھا ۱۳۲۷ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ یہ مثنوی میں نے کسی کی فرمائش پر لکھی ہے۔ اس لیے میں نے صنایع و بدایع سے زیادہ کام نہیں لیا۔ مثنوی کے ناپختہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں تنگیٔ معیشت کی وجہ سے پریشان تھا۔ انہی کی زبانی ان کا بیان سنیے:

نہ خود سلک ایں در ر سفتم بل ز فرمودۂ کسے گفتم
زاں سبب سادہ کردہ ام موزوں بری از استعارۂ مضمون
شعر فرمائشی نیاید کار گرچہ باشد ہمہ درِ شہوار
سبب دیگرش پریشانی است دل بگرداب بحرِ حیرانی است
بے زر و مفلس و پریشانم بے روزی خراب و حیرانم
متفرق حواس و دل غمگین چہ کند طبع استوار متین
سادہ و پختہ گفتن آسان نیست کار ہر شاعرِ سخندان نیست

یکتا سے پہلے باقی، سعیدی اور شاید اس کے ہم عصر آفریں داستانِ ہیر و رانجھا کو منظوم کر چکے

۲۰؎ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی مرتبہ احمد منزوی، ج ۴، ص ۳۰۶۷

تھے۔ یکتاؔ نے اپنی مثنوی میں یہ نہیں بتایا کہ اس نے اس قصے کی تفاصیل کہاں سے اخذ کی ہیں۔ یکتاؔ نے ایک دو جگہ مروّجہ قصے سے اختلاف کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہ کسی مسافر نے جھنگ سیال کی ہیر نامی خوب صورت عورت کی صفات بیان کیں اور رانجھا تقسیم میراث کے بعد اس کی جستجو کے لیے نکل پڑا۔ دوسرے یہ کہ آخر میں ہیر و رانجھا کو بیابان میں چھوڑ دیا گیا۔ حضرت خضر نے انھیں پانی پلایا اور جان بچائی۔ پھر وہ سیرِ جہاں کو نکل گئے۔ بغداد، کوفہ، کربلا اور حرمین شریفین بھی پہنچے۔

مثنوی کی تمہید میں حمد و توحید پہ اظہارِ خیال کیا ہے۔ پھر فلسفۂ تصوف کے نقطۂ نظر سے حسن و عشق کی حقیقت بیان کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کائنات میں حسن و عشق کارفرما ہیں، حسنِ مطلق نے اپنا جلوہ دیکھنے کے لیے اس جہاں کو رنگارنگ مناظر سے آراستہ کیا:

خواست تا حسنِ خویشتن بیند   گلبن و گلشن و چمن بیند
ساخت آئینۂ محمدؐ نام   دید در وے جمالِ خویش تمام
حسن و عشق است یک گلِ رعنا   ہست گیتی ازیں دو رنگ بپا

ان تمہیدی اشعار کے بعد پنجاب اور لاہور کی تعریف کی ہے۔ یکتاؔ سے پہلے لاہور کے متعلق طالب آملی کی نظم اور پنجاب کے بارے میں غنیمت کنجاہی کی نظم وصفیہ نظموں میں بلند پایہ شمار ہوتی ہیں یکتاؔ نے پنجاب اور لاہور کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض ابیات شعری صفات کے ساتھ ساتھ گہرے مشاہدات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ تشابیہ نادر اور تعجب انگیز ہیں مثلاً:

سرزمینی کہ عشق را باب است   کشورِ حسن خیز پنجاب است
ہر طرف چاہ و چرخ دولابی   لغزۂ گریہ اشکِ بیتابی
کوزہ ہایش قطار بسمل ہا   خونچکاں سلک مہرۂ دل ہا
پنج دریا چو پنجۂ احسان   سیلِ سیم و زر است در طغیان
گرچہ ہر گوشہ اش طرب خیز است   از مے شوق جام لبریز است
لیک لاہور مصر محبوبے ست   یوسفستانِ عالم خوبے است

ہیر و رانجھا کی کہانی میں ڈرامائی عناصر موجود ہیں۔ جابجا کرداروں میں تصادم کی وجہ سے حرکت و جنبش جاری رہتی ہے۔ رانجھا اور ہیر کا تصادم، کیدو اور ہیر کا تصادم، ہیر اور قاضی کا تصادم

رانجھا اور اہل رنگپور کا تصادم، رانجھا اور قاضی کا تصادم وغیرہ۔ کہانی کے اس زیر و بم کی وجہ سے انسانی جذبات و احساسات میں بھی بہت اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ اور شاعر کو رانجھا اور ہیر کے غم و غصہ، کرب و کسک کے اظہار کے مواقع میسر آتے ہیں۔ شاعر نے ایجاز سے کام لیا ہے۔ بعض مقامات پر ایک ایک جملے میں پوری ذہنی و قلبی کیفیت کا اظہار کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر رانجھا کے نام ہیر کا خط قابل ملاحظہ ہے۔

یکتآ کے اب وجد ماوراء النہر سے آئے تھے۔ ان کی زبان ترکی و فارسی ہوگی۔ یکتا اگرچہ سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئے لیکن گھر کا ماحول اور خاندانی امارت و حشمت ضرور اثر انداز ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود یکتآ نے اپنے مولد و منشا کا ماحول اپنایا۔ چونکہ داستانِ ہیر اس سرزمین سے متعلق تھی اس لیے اس نے یہاں کی فضا اور کردارِ قصہ کے ماحول کو مدنظر رکھا ہے۔ یہاں کے مردوں و عورتوں کے طور اطوار، بیاہ شادی کے رسم ورواج اور غم و غصہ کے وقت جذبات و احساسات کو واقفیت سے ہم کنار کیا ہے۔

یکتآ کی مثنوی بہت مقبول ہوئی۔ چنانچہ خاص طور پر سندھ میں حکامِ وقت کی فرمائش پر چار مثنویاں لکھی گئیں۔ شعرا کے نام یہ ہیں۔ میر عظیم الدین، ضیاء الدین ضیا، آزاد، ولی محمد خان لغاری۔ یہ چاروں مثنویاں ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔

ابیاتِ مثنوی کے علاوہ یکتآ کا شعری سرمایہ ان چند اشعار پر مشتمل ہے جو کہیں کہیں تذکروں میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ ان چند اشعار سے صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ یکتآ پختہ گو شاعر تھے اور اپنے زمانے میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ مختلف تذکروں سے ان کے مندرجۂ ذیل شعر مل سکے ہیں:

سرو سامان چہ می پرسی زمن عمریست چوں کاکل ‏ ‏ ‏ سیہ بختم، پریشاں روزگارم، خانہ بردوشم

(ریاض الشعرا)

جلوۂ خط نازلف را در پیچ و تاب انگندہ است ‏ ‏ ‏ موج سوہان سیل باشد خانۂ زنجیر را

جامۂ صد چاک بر گل تنگ بود ‏ ‏ ‏ این قبا بر قامتِ دل دوختند

گردۂ چشم سیاہش از قیامت ریختند ‏ ‏ ‏ یک جہان میخانہ حل گردید در پیمانۂ ای

هر ایاغ حلقهٔ زلف پراست از عاف حسن
حیرتم گل میکند زین جام، کج دار و مریز

از ناخوشی میانِ من و اہلِ روزگار
جوشِ غبار صورتِ دیوار بستہ است

یکتا بفریبِ اہلِ دنیا نروی
از مہر و وفا پیشِ مسیحا نروی
رخ ناقتی از ملکِ قناعت بیجاست
شاہی اگرت دہند از جا نروی

از دیدہ غبارِ خواب می باید شست
با اشک، نہ از گلاب می باید شست
آئینہ بشویند ز خاکستر و خاک
این آئینہ را بہ آب می باید شست

(تذکرۂ بینظیر)

ازبسکہ سراپا ز غمِ عشق تو داغم
چوں کاغذِ آتش زدہ یک شہر چراغم

(روز روشن)

شب کہ طرفِ کلہ آں مہرِ جہانتاب شکست
صبح روشن شد و رنگ از رخِ مہتاب شکست
صرفِ عشقِ خوش قداں گردید نقدِ اشکِ من
کرد مفلس عاقبت این چرخِ بالائی مرا

(مقالات الشعرا)

شد بیہوش ربا چشمی جانانہ چنین باید!
مخمور زاہد گفتم پیمانہ چنین باید!
می سوزم و می گردم پروانہ صفت گردت
در پیش قدت میرم پروانہ چنین باید
عہدی ز ازل بستم با حلقۂ گیسویت
اکنون شکنی ہر دم پیمانہ چنین باید
می خندم و می گریم، می میرم و می سوزم
در چار سوی حسنت دیوانہ چنین باید
صد چاک زغم دل را یکتا ز پی زلفش
این طرۂ گیسو را یک شانہ چنین باید

(بیاض مجموعہ محمود شیرانی شمارہ ۲۲۷۹)

سر بین منتِ گوشِ گرانِ خویشتنم
کہ تا بلند نباشد سخن نمی شنوم

(منتخب الاشعار)